(۱۵)

انسان کو اپنے نفس کے محاسبہ میں لگے رہنا چاہیئے

(فرمودہ ۲۱ رمئی ۱۹۳۷ء بمقام کراچی) [1]

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

چونکہ میرے گلے میں تکلیف ہے اس لئے زیادہ بول نہیں سکتا مگر جماعت کے دوستوں کو اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ [2] کی دعا سکھائی ہے یہ دو باتوں پر دلالت کرتی ہے۔اس کا ایک تعلق اعلیٰ مدارج کے لوگوں کے ساتھ ہے جسے یہاں اس طرح پر بیان کیا گیا ہے کہ جُوں جُوں کوئی انسان ترقی کرتا ہے اور کسی بڑے رُتبے پر پہنچنا چاہتا ہے وہ دعائیں کرتا جاتا ہے۔مگر چونکہ تمام انسان ایک حالت پر نہیں ہوتے کوئی روحانیت کے اعلیٰ مقام پر ہوتا ہے تو کوئی اس جنگ میں مشغول ہوتا ہے جو شیطان کے ساتھ لڑی جارہی ہو۔ پس اگر قسمِ اوّل کو ملحوظ رکھتے ہوئے اِس آیت کے یہ معنے کئے جائیں کہ الٰہی! ہمیں اعلیٰ مقام تک پہنچادے تو یہ بے معنی فقرہ ہوتا کیونکہ ایسے شخص کے نزدیک اِس آیت کا مفہوم اُس وقت شروع ہوجاتا ہے جبکہ جملہ معلومہ مقامات ختم ہوجاتے ہیں۔ جب تک معلومہ مقامات موجود ہوتے ہیں اُس وقت تک مقصود اُس کے سامنے ہوتا ہے جس کیلئے وہ دعائیں کرتا ہے۔ جب انسان اخلاق کو حاصل کر لیتا ہے جن کو وہ جانتا ہے اور ان علوم اور عرفان کی باتوں کو حاصل کر لیتا ہے جن کو لوگ علمی طور پر جانتے ہوتے ہیں تو وہ نام لے لے کر دعائیں کرتا ہے۔لیکن جب وہ نہیں جانتا کہ اُس سے آگے کیا ہے تب وہ دعا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے خدا! جو کچھ مجھے نہیں معلوم وہ بھی دے۔

دوسرا مقام بعض انسانوں کا وہ ہوتا ہے جبکہ وہ شیطان سے لڑائی کر رہا ہوتا ہے۔ اُس وقت اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ سے اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ خدایا! مجھے صراطِ مستقیم پر قائم رکھ۔ وہ ان خطرات کو محسوس کرتا ہے جو اُسے روز پیش آتے ہیں۔ لہٰذا اِس دعا کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے توجہ دلائی ہے کہ ہر وقت انسان کے ساتھ ایسی چیزیں لگی ہوئی ہیں جو اس کے ایمان، تقویٰ، دین کی خدمت کی خواہش اور محبت الٰہی کو کم کر رہی ہیں لہٰذا اسے ان سے محفوظ رہنے کیلئے دعا کی ضرورت ہے۔

بہت سے ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو اس بات میں مارے جاتے ہیں کہ وہ خیال کر لیتے ہیں کہ ان کو کوئی مستقل چیز مل گئی ہے۔ یا کم سے کم وہ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ وہ ایسے مقام پر پہنچ گئے ہیں کہ ان کو اطمینان کی حالت حاصل ہوگئی ہے اور وہ اپنی تمام جدوجہد چھوڑ دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ جملہ خطرات سے محفوظ ہوگئے ہیں۔ حالانکہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان بعض اوقات ایک بڑے مقام پر پہنچ کر بھی نیچے گر جاتا ہے۔ جیسے عبداللہ بن ابی کاتب وحی حضرت رسول کریم ﷺ کا ہی واقعہ ہے کہ آپ نے اسے اپنا سیکرٹری بنایا اور وحیِ الٰہی کے لکھنے کا کام سپرد کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اسے قابلِ اعتبار سمجھا تھا اور اسے متقی خیال فرماتے تھے۔ علاوہ ازیں اس کے ذاتی حالات بھی اس کی تائید کرتے تھے مگر دیکھ لو کہ کس حالت تک پہنچ گیا۔

اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے کو ہی دیکھتے ہیں کہ آپ کے زمانے میں کئی ایمان لانے والے مقربین ایسے ہیں جو اَب آپ کے درجے کو کم کر رہے ہیں۔ کئی ہیں جو دُنیوی عزت کی خاطر سلسلے کی عزت کا خیال نہیں کرتے۔ کئی ہیں جو غیر احمدی ہوگئے ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے یہاں بتایا ہے کہ مومن کو ہمیشہ خدا کی طرف متوجہ رہنا چاہیئے اور خرابیوں کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور اپنے نفس کے محاسبہ میں لگے رہنا چاہیئے کہ کہیں اس میں کوئی نقص تو نہیں پیدا ہوگیا۔ یہ بیشک درست ہے کہ اپنی غلطی کا اجمالی احساس تو ہر ایک کو ہوتا ہے لیکن تفصیلی احساس ہر ایک کو نہیں ہوتا۔ مگر صرف اجمالی احساس کوئی نفع نہیں پہنچاتا۔ اجمالی احساس یہ ہوتا ہے کہ جب انسان کسی درجہ پر پہنچ جاتا ہے تو سمجھتا ہے کہ وہ بہت کمزور ہے حالانکہ خود اس پر اس کے اس قول کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ عام طور پر یہ کہنا کہ کمزور ہوں، گنہگار ہوں یہ فقرے تو متکبر اور کافر بھی کہتے ہیں۔ مثلاً جب کوئی ان کی تعریف کرے تو انکسار سے وہ بھی ایسے فقرے کہہ دیتے ہیں لیکن دل سے اسے محسوس نہیں کرتے۔ پس

اجمالی نقص کا اظہار کوئی چیز نہیں کیونکہ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اس کا اظہار کرتے ہیں لیکن تفصیلی طور پر وہ اپنے آپ کو بے گناہ سمجھتے ہیں۔ جب وہ سچائی، فرمانبرداری، امانت، دیانت میں سُستی کریں اور کوئی ان سے ہی سوال کرے تو جھٹ اپنے نفس کی حمایت کرتے ہیں اور بے عیب ہونے کے دلائل دے کر اپنے نفس کو بھی تسلی دے دیں گے۔ یوں چاہے سارا دن ان سے کہلوا لو کہ وہ خطا کار ہیں، گنہگار ہیں لیکن دوسرے وقت میں وہی شخص عیب کرتا ہے اور دریافت کرنے پر چڑتا ہے۔ اگر وہ بے عیب نہ تھا تو چڑا کیوں تھا۔ سوائے ایسے حالات کے کہ اس کے متعلق خود اللہ تعالیٰ نے کہا ہو کہ تو بے عیب ہے۔ اُس وقت اس کا چڑنا اپنے لئے نہیں ہوتا بلکہ خدا تعالیٰ کیلئے ہوتا ہے اور وہ خدا کے حکم کی وجہ سے مقابلہ کرتا ہے۔ اگر انبیاء پر اعتراض کیا جاوے تو وہ اپنی ذات کے بچاؤ کے لئے ایسا نہیں کرتے کیونکہ اپنی ذات میں تو وہ اپنے آپ کو کمزور سمجھتے ہیں لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہوتا ہے کہ وہ بے عیب ہیں لہٰذا خدا کو الزام سے بچانے کیلئے کہ اللہ تعالیٰ کا قول صحیح ہو نہ کہ اپنی ذات کے واسطے وہ اس کی تردید کرتے ہیں۔ جیسے حضرت رسول کریم ﷺ پر الزام لگانا حقیقتاً اُس ہستی پر الزام لگانا ہے جس نے کہا تھا کہ ہم نے تم کو چُن لیا اور اِسی لئے لوگ آپؐ کی حفاظت کرتے تھے۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ آپ اپنی ذات کیلئے نہیں بلکہ خدا کیلئے ایسا کرتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب تک خدا کی ذات کا سوال نہ تھا آپ نے ہر ایک حملہ برداشت کیا۔ چنانچہ بادشاہ ہونے کی حیثیت میں مدینہ میں جب ایک یہودی نے آپ کو کہا یا محمد (حالانکہ ایک بڑے آدمی کا اس طرح بلانا یقیناً قابلِ اعتراض تھا) اِس پر صحابہ کو بہت طیش آیا اور قریب تھا کہ اُس کو سزا دیں۔ لیکن آپ نے تحمل سے فرمایا کہ اس نے ٹھیک کہا ہے۔[۳] کیا میرے ماں باپ نے میرا نام محمد نہیں رکھا ہے؟ تم غصے کیوں ہوتے ہو؟ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جہاں خدا کے نام کا سوال نہ تھا بلکہ محض اپنی ذات کا سوال تھا وہاں آپ نے اپنی عزت کو پسند نہ فرمایا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہی ایک واقعہ ہے کہ ایک دفعہ لاہور کی ایک گلی میں ایک شخص نے آپ کو دھکا دیا آپ گر گئے جس سے آپ کے ساتھی جوش میں آ گئے اور قریب تھا کہ اُسے مارتے۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ اس نے اپنے جوش میں سچائی کی حمایت میں ایسا کیا ہے اِسے کچھ نہ کہو۔ پس انبیاء اپنے نفس کے سوال کی وجہ سے نہیں بولتے بلکہ خدا کی عزت کے قیام کیلئے بولتے ہیں۔ تو یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ ان میں اور عام لوگوں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ وہ خدا

کیلئے کرتے ہیں اور عام لوگ اپنے لئے کرتے ہیں۔ پس اگر کسی شخص کو یہ احساس پیدا ہو جائے کہ میں واقعہ میں کمزور ہوں تو ایسا انسان گمراہ ہو نہیں سکتا۔ انسان گمراہ اُس وقت ہوتا ہے جب وہ یقین رکھتا ہے کہ میں حق پر ہوں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت معاویہ کی نماز کا واقعہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ ان سے ایک مرتبہ فجر کی نماز قضا ہوگئی لیکن وہ اِس غلطی کے نتیجے میں نیچے نہیں گرے بلکہ ترقی کی۔ پس جو گناہ کا احساس کرتا ہے وہ گناہ سے بچتا ہے۔ جب گناہ کا احساس نہیں رہتا تو انسان معصیت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ پس مومن کو اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ پر غور کرنا چاہئے اور سمجھنا چاہئے کہ وہ خطرات سے محفوظ نہیں ہؤا۔ صرف اُسی وقت محفوظ ہوسکتا ہے کہ جبکہ خدا کی آواز اُسے کہہ دے۔ پس انسان کو اپنے نفس کی کمزوری کا محاسبہ کرنا چاہئے۔ ایسے شخص کیلئے روحانیت کے راستے کھل جاتے ہیں۔ جو ایسا نہیں کرتا اُس کیلئے روحانیت کے راستے مسدود ہو جاتے ہیں اور ایسا انسان گمراہ ہو جاتا ہے۔

(ماخوذ از ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ)

---

۱ یہ غیر مطبوعہ خطبہ ہے۔

۲ الفاتحہ: ٦

۳